حافظِ ملت

ایک پیکرِ استقامت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

علّامہ اقبال

ایک ایسے ہی مرد مجاہد کا تذکرہ جس کی زندگی صداقت واستقامت کی عملی تصویر تھی- جو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق تھا

یہ مضمون ماہنامہ اشرفیہ,مبارک پور,انڈیا سے لیا گیا ہے (مئ 2011)

حافظ ملت
ایک پیکر استقامت

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

استاذ العلما حافظ ملت حضرت علامہ حافظ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ایک زبردست عالمِ ربانی تھے۔ دین پر استقامت اور حق کی مکمل پاس داری آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ دینی معاملات میں مداہنت ان کے یہاں کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتی تھی۔ آپ عالمِ ربانی تھے اور عالمِ ربانی اسی کو کہتے ہیں جو علم کے ساتھ اس پر عمل بھی کرے۔ اسی لیے قرآن پاک میں عالم کی شان یہ بیان کی گئی ہے۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (فاطر ۳۵/ ۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ (کنزالایمان)

کیوں کہ جتنا علم زیادہ ہوتا ہے اتنا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس کو ہے جو اللہ تعالیٰ کے جبروت اور اس کی شان وعظمت سے باخبر ہے۔ اسی لیے بخاری و مسلم کی حدیث میں آیا، سرکار نے فرمایا:

میں قسم بہ خدا اللہ عز وجل کو تم میں سب سے زیادہ جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کا خوف بھی رکھنے والا میں ہی ہوں۔

(خزائن العرفان وغیرہ)

علما میں بھی خشیت کا یہی معاملہ ہے کہ جس کا علم جس قدر بڑھا ہوا ہوتا ہے اسی قدر اس کے اندر خدا کا خوف بھی ہوتا ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ آیت مذکورہ کے مصداق تھے کہ عالم تھے تو اپنے اندر خشیت ربانی بھی رکھتے تھے۔ حافظ ملت نے اپنی کتاب ارشاد القرآن میں خوفِ خدا کے تعلق سے دس آیات کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی پانچ آیتیں وہ ہیں جن میں خوفِ خدا کی تلقین ہے اور دوسری پانچ آیتیں وہ ہیں جن میں خوفِ خدا کے فائدے بیان فرمائے ہیں۔ انھیں آیات کے تحت فرماتے ہیں:

”ان آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان خدا سے ڈریں اور پورا پورا ڈریں صرف خدا سے ڈریں، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ غیرت الٰہی کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کا بندہ ہو کر اس کا پرستار ہو کر اس کے سوا کسی سے ڈرے۔

مخلوق سے ڈر کی وجہ صرف خالق سے بے خوفی ہے۔ اگر مسلمان اپنے رب سے پورے پورے ڈر جائیں تو خوفِ الٰہی کی عظمت وبرکت ان کو ساری مخلوق سے بے خوف کر دے گی۔“

(ارشاد القرآن، ص:۱۱، المجمع الاسلامی)

حافظِ ملت نے یہ تحریر فرمایا ہے تو کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے، بلکہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ ”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ“ (الصّف، ۶۱/ ۲) ”اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔“ کے پیشِ نظر جو فرماتے اس پر عمل بھی کرتے۔ حافظ ملت صرف گفتار کے غازی نہیں تھے، کردار کے بھی غازی تھے، جو کہتے اس پر جم جاتے جو رائے دیتے بہت سوچ سمجھ کر دیتے پھر اس پر اٹل ہو جاتے، اسی لیے ایک بار فرمایا اور بھرے مجمع میں اسٹیج پر فرمایا:

”مسلمانو! خدا سے ڈرو کہ اسی سے ڈرنا چاہیے جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور جو خدا سے نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے۔ الحمد للہ عبد العزیز صرف خدا سے ڈرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا۔

چناں چہ حافظِ ملت کی پوری زندگی کا مطالعہ کر جائیے جو دیکھنے والے ہیں ان سے پوچھ لیجیے کہ کیا حافظِ ملت کبھی کسی سے ڈرے؟ نہیں کبھی نہیں ڈرے۔ کٹھن سے کٹھن وقت آیا لیکن آپ

استقامت کا پہاڑ بنے رہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے "جب سے لوگوں نے خدا سے ڈرنا چھوڑ دیا ہے ساری دنیا سے خوف زدہ ہیں" یا فرمایا "ساری دنیا سے ڈرنے لگے ہیں" حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کی استقامت کے چند واقعات ملاحظہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ حافظِ ملت جرأت و بسالت کے کیسے پہاڑ تھے۔

(۱)- حضرت مولانا محمد شفیع اعظمی مبارک پوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

تقسیمِ ہند کے بعد جب پاکستان بنا تو جمعیۃ العلماے ہند جو ہمیشہ سے گورنمنٹ کی نمک خوار جماعت رہی ہے جس کے پاس اس کا صرف یہ کام رہ گیا تھا، کہ غلط یا صحیح مسلم لیگیوں کی نشان دہی کرتی اور ان کی گرفتاری عمل میں آتی۔ اس صورتِ حال سے بچنے کے لیے عام طور سے سیاسی بازی گر جمعیۃ العلما کا سہارا ڈھونڈھتے اور اس کے ممبر بنتے۔ اس خیال کے پیشِ نظر کچھ سیاسی لوگوں نے مولانا شاہد فاخری (الٰہ آبادی) مولوی ابوالقاسم و ابوالوفا شاہجہاں پوری کو مبارک پور آنے کی دعوت دی تو ان کی خوش نودی حاصل کرنے کے لیے بساطِ سیاست کے مہرے اول دو صاحبان کو دار العلوم اشرفیہ میں لا کر وہیں ٹھہرایا۔ اب دوسرے روز جمعہ کا دن تھا۔ مولانا شاہد فاخری سنیوں کی جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے گئے۔ بعد نماز دار العلوم کے دو تین طالب علموں نے دیوبندی مولوی ابوالقاسم کو دار العلوم میں ٹھہرانے پر اپنی بیزاری اور سخت غم و غصے کا اظہار کیا۔

دوسرے روز کچھ لوگوں نے ضلع کلکٹر کے وہاں شکایت پہنچائی کہ مولانا عبد العزیز، حاجی محمد عمر، مولوی باقر علی، لیگی ہیں (جب کہ حافظِ ملت کانگریس کے ساتھ لیگ کے بھی سخت خلاف تھے) ان لوگوں کی وجہ سے مبارک پور کے امن و امان کو خطرہ ہے۔ ان کو حراست میں لینا ضروری ہے۔ چناں چہ کلکٹر نے ان حضرات کی گرفتاری کا پروانہ جاری کر دیا۔ قصبے میں اس خبر کا پھیلنا تھا کہ پورے قصبے میں بھونچال آ گیا۔ ارادت مندوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر تھانے پہنچ گیا، جہاں پولیس والے آپ کو لے گئے تھے۔ پولیس نے وہاں پر پہنچ کر وارنٹ دکھایا اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔ جیپ پر بٹھا کر اعظم گڑھ کو لے چلے تو حافظِ ملت نے عقیدت مندوں کو سمجھایا اور صبر و ضبط کی تلقین کی اور فرمایا، سنتِ سجاد پر عمل باقی رہ گیا تھا، اس کی ادائیگی ہو رہی ہے۔ آپ لوگ اطمینان رکھیں اللہ حافظ و ناصر ہے۔ (حافظ ملت نمبر، ماہ نامہ، ص: ۱۲۹-۱۳۰)

وکلا نے کلکٹر سے ملاقات کی اور مبارک پور کی ہنگامی و ہیجانی صورت، حال کا تذکرہ کرتے ہوئے رہائی کی اپیل کی۔ کلکٹر نے کہا، مجھے آپ لوگوں پر اعتماد ہے لیکن چھوڑنے کی کوئی وجہ ہونی چاہیے۔

بالآخر کلکٹر نے درخواست لانے کو کہا وکلا نے درخواست بنائی جس پر دستخط کے لیے حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے مضمون پڑھ کر فرمایا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے کچھ کیا ہے اور اب میں ضمانت دوں کہ آئندہ کچھ نہیں کروں گا۔ (جب کہ یہ واقعے کے سراسر خلاف ہے) پھر حضرت نے فرمایا: میں رہا ہوں یا نہ ہوں مگر خلافِ واقعہ درخواست پر دستخط نہیں کروں گا۔ جب وکیل صاحبان جیل کے گیٹ سے باہر ہوئے تو صلاح الدین صاحب نے لوگوں سے کہا، وکیل ہونے کی حیثیت سے میرا سابقہ ہر طرح کے لوگوں سے پڑتا رہتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی زندگی میں اتنے بلند کردار کا انسان نہیں دیکھا۔ (حافظ ملت نمبر، ص: ۱۳۰-۱۳۱ ملخصًا)

بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں: حضرت حافظ ملت نے جیل جاتے وقت بھی کہا تھا الحمد للہ اور جیل سے جب رہا ہوئے تب بھی کہا الحمد للہ۔

(پیش لفظ معارف حدیث، ص: ۲۰)

غالباً جاتے وقت اس لیے الحمد للہ کہا تھا کہ سنتِ سجاد ادا ہو رہی ہے، اور رہا ہونے کے بعد اس لیے کہا کہ اللہ نے استقامت عطا فرمائی، امتحان میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑا اور اللہ نے غلط بیانی سے بھی محفوظ رکھا۔

مذکورہ واقعے سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حافظ ملت واقعی صداقت و استقامت کے پیکر تھے۔ اور کٹھن سے کٹھن وقت میں بھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا اور نہ جھوٹ کا سہارا لیا، جب کہ آج معمولی معمولی مفادات کے پیشِ نظر ایک نہیں کئی کئی جھوٹ بولنے سے بھی آدمی نہیں چوکتا۔ حافظِ ملت کا کردار اس سلسلے میں ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پرستارانِ باطل اپنے مخالف کو زک پہنچانے کے لیے کیسی کیسی گھناؤنی حرکتیں کر ڈالتے ہیں۔ یہ لوگ مشکل میں انبیا، اولیا اور محبوبانِ الٰہی سے مدد مانگنے کو تو شرک کہتے ہیں، لیکن خود جب ضرورت محسوس کرتے ہیں یا پولیس المدد کا نعرہ لگاتے ہیں اور اس میں انھیں شرک کا آزار نہیں ستاتا۔

(۲)-فاضل گرامی مولانا محمد اسلم مصباحی گورکھ پوری فرماتے ہیں:

ایک جلسے میں علماے اہلِ سنت اسٹیج پر موجود تھے۔تقریر کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت دیو بندیوں نے اینٹ پتھر پھینکنے شروع کر دیے۔ یہ حالت دیکھ کر شور مچ گیا۔لوگ اٹھا اٹھ کر بھاگنے لگے۔ مگر حافظِ ملت اسٹیج پر اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ اس وقت آپ کی ثبات قدمی، اور مومنانہ جرأت دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ پھر اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ ہی دیر کے بعد جلسہ گاہ میں سامعین بھی آگئے اور علما بھی آکر اسٹیج پر جم گئے، اس کے بعد دیر تک تقریریں ہوتی رہیں اور جلسہ کامیاب رہا۔(معارف حافظِ ملت، از مولانا محمد اسلم،ص:۷۰)

(۳)-ایک بار ہولی کے موقع پر اشرفیہ کے تعلیمی ایام چل رہے تھے۔حضور حافظِ ملت اس دن صبح دار العلوم تشریف لائے اور درس دیا، دس گیارہ بجے قیام گاہ تشریف لے گئے۔ دوسرے وقت مدرسہ آنے کا وہی ٹائم تھا جو ہولی کھیلنے کا تھا۔ کچھ طلبہ نے سوچا کہ حضرت سے عرض کر دیا جائے کہ دوسرے وقت تشریف نہ لائیں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ پھر جب ہولی کھیلنے والے ہولی کھیلنے لگے، عین اسی وقت حضرت حافظِ ملت آتے دکھائی پڑے۔حضور حافظ ملت عادت کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے نظریں نیچے جھکائے ہوئے چلے آرہے تھے، جیسے ہی ہولی کھیلنے والوں کی نگاہ حافظِ ملت پر پڑی سب کے سب یک لخت کنارے ہو گئے اور اسجنبٹی پر جہاں ہولی کھیلی جا رہی تھی، سناٹا چھا گیا۔ حافظِ ملت کے گزر جانے کے بعد پھر وہ لوگ کھیلنے میں مصروف ہو گئے۔(ایضاً،ص:۸۰)

ہولی کھیلنے والوں کا منظر جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہولی والے کس قدر از خود رفتہ ہوتے ہیں اور ان کے کھیل تماشے کے وقت کوئی کیسا ہی شریف آدمی، چاہے مسلمان ہی ہو، گزر جائے اور ان کے رنگ سے بچ نکلے، بہت مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات مسلمانوں کو راہ میں دیکھ کر ان کی برافروختگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، لیکن ایسے وقت حافظِ ملت کا ان کی بھیڑ میں سے گزر جانا اور رنگ سے بچ نکلنا بڑی جرأت و ہمت کی بات ہے، بلکہ اس کو کرامت بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ غیروں پر ایسی ہیبت کا طاری ہو جانا کہ وہ کسی مسلمان کو دیکھ کر سہم جائیں، یہ معمولی بات نہیں۔ یہ وہ ہیبتِ حق ہے جو مومن کامل اور مردِ مجاہد ہی کے حصے میں آتی ہے۔

(۴) حیاتِ حافظِ ملت کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حافظ ملت علیہ الرحمہ نے ایک جگہ نکاح پڑھایا۔ وہاں سے واپسی پر معلوم ہوا کہ لڑکا گستاخِ رسول فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔فوراً حضرت دوبارہ گئے، مجلسِ نکاح کے اکثر لوگ جمع تھے۔ وہاں جا کر فرمایا کہ نکاح نہیں ہوا، کیوں کہ لڑکا گستاخِ رسول فرقے سے تعلق رکھتا ہے، مجھے پہلے معلوم ہوتا تو نکاح پڑھاتا ہی نہیں۔ بڑا ہنگامہ ہوا۔ گستاخ فرقے کے ایک بے باک شخص نے اعلان کر دیا میں حافظ صاحب کو چاقو ماردوں گا۔ باطل جب دلائل سے حق کا مقابلہ نہیں کر پاتا ہے تو ایسی ہی حرکتیں کرتا ہے۔اسی اثنا ایک خیر خواہ حضرت کی بارگاہ میں آئے اور کہا کہ آج کل اکیلے مت چلا کیجیے کسی کو ساتھ لے لیا کیجیے۔حضرت نے ان کو مخاطب کر کے پوچھا، ایسا کیوں؟ کہا، ایک گستاخ نے آپ کو چاقو مارنے کی دھمکی دی ہے۔حضرت نے فرمایا:

حاجی صاحب! مومن کی یہ شان ہونی چاہیے کہ اپنے رب پر بھروسا کرے۔اس کا ارشاد ہے: وھو معکم اینما کنتم (وہ تمھارے ساتھ ہے تم جہاں رہو) الحمد للہ مجھے اپنے رب پر کامل اعتماد ہے کہ وہ میرا حافظ و ناصر ہے۔ میں جس حال میں جہاں بھی رہوں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی مرضی کے بغیر کوئی میرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

چناں چہ حافظ ملت آرام سے آتے جاتے رہے، کسی کو کچھ کرنے کی مجال نہ ہو سکی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حافظِ ملت علیہ الرحمہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور دین کے معاملے میں اور گستاخانِ رسول کے سلسلے میں کسی قسم کی مداہنت اور نرمی کے قائل نہ تھے۔ بلکہ آپ کی محبت وعداوت کا معیار دین تھا، اور اللہ ورسول کی محبت تھی جو اللہ کا ہے وہی حافظِ ملت کا اور جو اللہ ورسول کی شان کا گستاخ ہے اس سے کوئی رشتہ نہیں۔اس سلسلے میں دو حدیثیں ملاحظہ کریں تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ معیار حافظِ ملت کا خود ساختہ نہیں خدا کے پیارے رسول علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات پر مبنی ہے اور ایک مومن کے ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ اللہ و رسول کے ارشاد کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔اس سلسلے میں دنیاوی تعلقات کو آڑے نہ آنے دے۔ نہ دنیاوی نفع ونقصان کی فکر کرے۔ رازق اللہ ہے، اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔کوئی اللہ کے لیے سب سے دشمنی کر کے بھی مال دار رہ سکتا ہے اور دنیا کے لیے سب سے محبت کر کے بھی فقیر بے نوا، اس لیے کمالِ ایمان کی فکر کرنی چاہیے نہ کہ دنیاوی

نقصان کی۔اب حدیثیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، رسولِ پاک ﷺ نے ارشادفرمایا:

مَنْ أَحَبَّ لِلّٰهِ وَ أَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ أَعْطٰى لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْإِيْمَانَ — رواه أبو داؤد و رواه الترمذى عن معاذ بن أنس مع تقديم و تاخير وفيه فقد استكمل ايمانه.(مشكوٰة المصابيح، كتاب الايمان، ص:١٤، مجلس بركات، اشرفيه مبارك پور)

جس شخص نے اللہ کے لیے کسی سے محبت کی اور اللہ کے لیے دشمنی کی اور اللہ کے لیے کسی کو کچھ دیا اور اللہ ہی کے لیے روکا تو اس نے ایمان مکمل کرلیا۔ اسے امام ابو داؤد نے روایت کیا اور امام ترمذی نے معاذ بن انس سے کچھ تقدیم و تاخیر کے ساتھ اسے روایت کیا۔اور اس میں ”فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ“ ہے۔یعنی اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔

اس حدیث کے بعد اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک بڑا پیارا فارسی کا شعر نقل کیا ہے۔ملاحظہ کریں اور دل میں جمائیں۔

وطن برائے تو گیرم سفر برائے تو جویم
خمُش برائے تو باشم سخن برائے تو گویم

میں تیرے ہی لیے کسی جگہ کو وطن بناتا ہوں، یعنی ٹھہرتا ہوں اور تیری ہی رضا کے لیے کسی جگہ کا سفر اختیار کرتا ہوں، تیرے ہی لیے خاموشی اختیار کرتا ہوں اور تیرے ہی لیے لب کشائی کرتا ہوں۔

(۲) دوسری حدیث ہے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی۔ انھوں نے کہا کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ.
رواه ابو داؤد (مشكوٰة، ص:١٥)

سب سے بہتر عمل اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے دشمنی کرنا ہے۔اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔

(۳) ایک حدیث اور سنیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ افضل ایمان کیا ہے، یعنی ایمان کے اعمال میں کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔فرمایا افضل ایمان کا درجہ یہ ہے کہ تو اللہ کے لیے کسی سے محبت کرے اور اللہ کے لیے کسی سے بغض رکھے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں مشغول رکھے۔عرض کیا، اس کے بعد اور کیا فرماتے ہیں؟ کہا: دوسرے لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرے جو تو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور لوگوں کے لیے بھی وہی ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔ یہ حدیث امام احمد نے روایت کی۔(مشکوٰۃ، ص:۱۶)

آج کل اس بات کی بڑی ہوڑ چلی ہے کہ کسی کو برا مت کہو، کسی سے دشمنی نہ کرو اور یہ سب کہنا صرف دین ہی کے معاملے میں ہوتا ہے، باقی رہا دنیا کا معاملہ تو ہر کوئی کسی نہ کسی سے دشمنی رکھتا ہے، جب کہ دنیاوی معاملات میں آدمی کو چاہیے کہ کسی سے دشمنی نہ رکھے اور دین کے معاملے میں جس کو دیکھے کہ ایمان کے تقاضوں سے ہٹا ہوا ہے عقیدہ خراب ہے، اللہ و رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے والا ہے تو اس سے ضرور دشمنی رکھنی چاہیے، چاہے دنیا کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔آج کل جو لوگ مذہب و عقیدے میں آزاد ہوتے جا رہے ہیں اور ہر کسی کو چاہے وہ گستاخِ رسول ہو یا محبِ رسول سب کو برابر سمجھتے ہیں وہ مذکورہ حدیثوں کو سامنے رکھیں اور اپنی عاقبت کی فکر کریں۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے پیشِ نظر یہ حدیثیں تھیں اس لیے عمر بھر آپ نے کبھی گستاخوں سے سمجھوتا نہیں کیا، ہاں ان کو دعوتِ اصلاح دی۔

آج بہت سے لوگ حضور حافظِ ملت سے عقیدت تو رکھتے ہیں مگر صرف دکھاوے کی اور دنیاوی مفاد کی غرض سے، فاتحہ پڑھتے اور چادر بھی چڑھاتے ہیں۔حالاں کہ اللہ و رسول سے محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ اللہ و رسول کے فرامین پر چلا جائے اور اللہ کے ولیوں، محبوبوں سے محبت و عقیدت کا مقصد بھی یہی ہونا چاہیے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلیں، ان کے اقوال و ارشادات سے سبق لیں اور ان سے صرف دنیا ہی کا مقصد نہ چاہیں بلکہ ان کے صدقے میں اللہ سے آخرت کی بھلائی کا سوال کریں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔حیرت ہے کہ آدمی دنیا کا رشتہ نبھاتا ہے لیکن دین کا رشتہ نہیں نبھاتا۔اپنے ذاتی دشمنوں سے تو دشمنی رکھتا ہے لیکن اللہ و رسول کے دشمنوں اور گستاخوں سے دوستی گانٹھتا ہے۔حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ایک ایمان افروز ارشاد پر یہ مضمون ختم کیا جارہا ہے، اسے بغور پڑھیں اور حرزِ جاں بنائیں۔

برادرانِ اسلام کی خدمت میں مخلصانہ گزارش

برادرانِ اسلام، پیارے بھائیو! دنیا چندروزہ ہے، اس کی راحت ومصیبت سب فنا ہونے والی ہے۔ یہاں کی دوستی اور دشمنی ختم ہونے والی ہے۔ دنیا سے چلے جانے کے بعد بڑے سے بڑا رفیق وشفیق بھی کام آنے والا نہیں۔ بعد مرنے کے صرف خدا اور اس کے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کام آنے والے ہیں۔ سفرِ آخرت کی پہلی منزل قبر ہے۔ اس میں منکر نکیر آکر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے۔ اسی کے ساتھ نبی کریم ورؤف ورحیم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مردے سے دریافت کرتے ہیں۔ ما تقولُ فی ھذا الرَّجل۔ یعنی حضور کی طرف اشارہ کرکے پوچھتے ہیں کہ ان کی شان میں کیا کہتا ہے۔ اگر اس شخص کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدت ومحبت ہے تو جواب دیتا ہے کہ یہ تو ہمارے آقا ومولا اللہ کے محبوب جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، ان پر تو ہماری عزت وآبرو، جان ومال سب قربان اس شخص کے لیے نجات ہے۔ اور اگر حضور سے ذرہ برابر کدورت ہے، دل میں آپ کی عظمت ومحبت نہیں ہے، جواب نہیں دے سکے گا، یہی کہے گا، میں نہیں جانتا، لوگ جو کہتے تھے میں بھی کہتا تھا، اس پر سخت عذاب اور ذلت کی مار ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

معلوم ہوا کہ حضور کی محبت مدارِ ایمان ومدارِ نجات ہے۔ مگر یہ تو ہر مسلمان بڑے زور سے دعوے کے ساتھ کہتا ہے کہ ہم حضور سے محبت رکھتے ہیں، آپ کی عظمت ہمارے دل میں ہے۔ لیکن ہر دعوے کے لیے دلیل چاہیے اور ہر کامیابی کے لیے امتحان ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرنے والوں کا یہ امتحان ہے کہ جن لوگوں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شانِ اقدس میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں ان سے اپنا تعلق قطع کریں۔ ایسے لوگوں سے نفرت اور بے زاری ظاہر کریں، اگرچہ وہ ماں باپ اور اولاد ہی کیوں نہ ہوں، بڑے سے بڑے مولانا، پیرو استاد ہی کیوں نہ ہوں لیکن جب انھوں نے حضور کی شان میں بے ادبی کی تو ایمان والے کا ان سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص ان کی بے ادبیوں پر مطلع ہوجانے کے بعد پھر بھی ان کی عزت، ان کا احترام کرے، اور اپنی رشتہ داری یا ان کی شخصیت اور مولویت کے لحاظ سے نفرت وبے زاری ظاہر نہ کرے وہ شخص اس امتحان میں ناکامیاب ہے۔ اس شخص کو حقیقۃً حضور کی محبت نہیں صرف زبانی دعویٰ ہے۔ اگر حضور کی محبت اور آپ کی سچی عظمت ہوتی تو ایسے لوگوں کی عزت وعظمت، ان سے میل محبت کے کیا معنیٰ؟ خوب یاد رکھو پیر اور استاد مولوی اور عالم کی جو عزت ووقعت کی جاتی ہے اس کی محض یہی وجہ ہے کہ وہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تعلق اور نسبت رکھنے والا ہے۔ مگر جب اس نے حضور ہی کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کی پھر اس کی کیسی عزت اور اس سے کیسا تعلق۔ اس نے تو خود حضور سے اپنا تعلق قطع کرلیا پھر مسلمان سے اپنا تعلق کیوں کر باقی رکھے گا۔

اے مسلمان! تیرا فرض ہے کہ اپنے آقا ومولا محبوبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت پر مر مٹنے، ان کی محبت میں اپنا جان ومال، عزت وآبرو قربان کرنے کو اپنا ایمانی فرض سمجھے اور ان کے چاہنے والوں سے محبت، ان کے دشمنوں سے عداوت لازمی اور ضروری جانے۔ غور کرو، کسی کے باپ کو گالی دی جائے اور بیٹے کو سن کر حرارت نہ آجائے تو وہ صحیح معنیٰ میں اپنے باپ کا بیٹا نہیں۔ اسی طرح اگر نبی کی شان میں گستاخی ہو اور امتی سن کر خاموش ہوجائے، اس گستاخ سے نفرت وبے زاری ظاہر نہ کرے تو یہ امتی بھی یقیناً صحیح معنیٰ میں امتی نہیں ہے۔ بلکہ ایک زبانی دعویٰ کرتا ہے جو ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ رسالہ (المصباح الجدید) میں بعض لوگوں کے اقوالِ گستاخانہ ضمناً آگئے ہیں، مسلمان ٹھنڈے دل سے پڑھیں، اور فیصلہ کریں، اور اپنی صداقتِ ایمانی کے ساتھ انصاف کریں کہ ایسے لوگوں سے مسلمانوں کو کیا تعلق رکھنا چاہیے، بلا رعایت اور بغیر طرف داری کے کہنا، اور یہ بھی یاد رکھنا کہ اگر کسی کی شخصیت ومولویت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی رعایت کی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے نبی کے مقابلہ میں نبی کے گستاخ کی طرف داری ورعایت تمہارے کام نہیں آسکتی۔ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و اٰلہ و أصحابہ أجمعین برحمتک یا أرحم الراحمین۔

خاکسار:-عبدالعزیز،
خادم الطلبہ مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ